افادات امام شوکانی

مصنف: استاذ سید اسماعیل علی
ترجمہ محمد اصغر نیازی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

نام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ' نسبت شوکانی' صنعانی۔ آپ یمن کے شہر صنعاء کے رہنے والے تھے اور آپ کے گاؤں کا نام شوکان تھا۔ جو شہر سے کم و بیش ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ بروز اتوار' دوپہر کے وقت پیدا ہوئے۔ اس دن ذوالقعدہ کی اٹھائیس تاریخ تھی۔ آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۱۷۳ ہجری ہے۔

آپ کے والد اپنے شہر کے قاضی تھے۔ ان کا شمار صنعاء کے برگزیدہ علماء میں ہوتا تھا۔ وہ بڑے پاکباز اور پارسا بزرگ تھے۔ جس نے بھی انہیں قریب سے دیکھا اور پہچانا' وہ پکار اٹھا کہ علی بن محمد' اللہ کے ولی ہیں۔ یہ انہی کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا کہ ان کے فرزند ارجمند علم کے پرستار اور تقویٰ سے سرشار نظر آتے تھے۔

امام شوکانی رحمتہ اللہ علیہ صنعاء میں پلے بڑھے' وہیں قرآن پڑھا اور صنعاء ہی کے استاد قاریوں سے تجوید سیکھی۔ ساتھ ہی فقہ' نحو' عروض' اور زبان دانی کے علوم کی منتخب تلخیصات حسب دستور ازبر کرتے رہے۔ علاوہ ازیں اسی عمر میں تاریخ و ادب کی کتب کی ایک معتد بہ تعداد بھی دیکھ ڈالی۔ باضابطہ تعلیم کا آغاز اس کے بعد ہوا سب سے پہلے انہوں نے اپنے والد محترم کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا' بعد میں شرعی علوم' زبان دانی کے علوم' عقلی' ریاضیات' فلکیات غرض کہ سارے مروجہ علوم و فنون کی تحصیل کے لیے وقت کے سربرآوردہ علماء کی شاگردی اختیار کی۔

وہ ایک عرصے تک اسی طرح مختلف اساتذہ سے کسب فیض کرتے رہے یہاں تک کہ تمام بنیادی علوم پر دسترس حاصل کر لی' بلکہ اپنی ذہانت کے بل بوتے پر بہت سوں سے سبقت لے گئے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ انہوں نے مختلف شعبہ جات کے ماہر اساتذہ سے اس طرح اکتساب علم کیا کہ مزید کوئی چیز سیکھنے کے لیے باقی نہ رہ گئی۔ اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے اپنی ذاتی محنت و کاوش سے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو ان کے اساتذہ کے پاس نہیں تھا۔ ان کی تعلیمی سرگرمیاں ہنوز اپنے ہی شہر میں محدود تھیں۔ اپنے دور کے عام دستور کے مطابق والدین کی طرف سے اذن سفر نہ ہونے کی وجہ سے وہ صنعاء نہ چھوڑ سکے—— ہر بڑے کام سے پہلے والدین سے اجازت

طلب کرنے کا رواج اس دور کی ایک اہم خصوصیت تھی۔

امام شوکانی پڑھنے لکھنے میں اس قدر ممتاز تھے کہ جو کچھ اساتذہ سے پڑھتے' وہ ان طالب علموں کو پڑھا دیتے جو اس مقصد کے لیے ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے جبکہ وہ خود ابھی درجہ اولی ہی میں تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں ایک دن رات میں پڑھنے پڑھانے کے ان کے اسباق تیرہ تک پہنچ جاتے۔ جلد ہی وہ وقت آ پہنچا جب انہوں نے اپنے آپ کو طلبہ علم کے پڑھانے کے لیے مختص کر دیا۔ طلبہ ان سے دن بھر میں لگ بھگ دس سبق لیتے۔ یہ اسباق تفسیر' حدیث' اصول' منطق' معانی' بیان جیسے فنون پر مشتمل ہوتے تھے۔ مزید یہ کہ عمر کے بیسویں سال ہی میں افتاء کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کر دی گئیں حالانکہ بہت سے اکابر ابھی موجود تھے۔ یہی نہیں استفتاء کا یہ سلسلہ صنعاء کے باہر سے بھی شروع ہوگیا۔ لگتا ہے ان دنوں اس کام میں مرکز و محور کی حیثیت تنہا امام صاحب ہی کو حاصل تھی۔ مزید برآں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ صرف دینی علوم تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ مروجہ سارے علوم تک پھیلا ہوا تھا۔ البتہ وہ اس کے لیے کسی استاد کی براہ راست رہنمائی کے چنداں محتاج نہ تھے' بلکہ یہ سب بہت حد تک ان کی اپنی کاوشوں کا ثمر تھا۔

امام صاحب کی بیشتر تصنیفات کے مطالعے سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ تقلید محض سے بیزاری اور اجتہاد خالص کی ترغیب ان کی فکر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے اگرچہ خود ان کے اپنے فکر و عمل میں مسلک زیدیہ کے حق میں میلان کی وجہ جیساکہ وہ اپنی کتاب "البدر الطالع" میں خود بیان کرتے ہیں' صرف یہ ہے کہ مسلک زیدیہ ترک تقلید کا مدعی اور نقد و تنقید کا پرجوش داعی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"دیار زیدیہ کے ائمہ کتاب و سنت ایک ایسے وصف کے حامل ہیں جس کی توصیف سے زبان قاصر ہے۔ یعنی وہ دلائل اربعہ کے دائرہ نور سے باہر نہیں جاتے اور اعتبار صرف ان احادیث کا کرتے ہیں جو درجہ صحت تک پہنچ چکی ہوں۔ نیز جو کچھ اسلام کے' سنت متواترہ پر مبنی' احکامات سے مستنبط ہو' صرف وہی ان کے لیے قابل اعتناء ہے۔ وہ ان میں سے نہیں جو بلاسوچے سمجھے تقلید محض کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور نہ وہ زمرۂ بدعت کی بظاہر کسی شاندار شے کے نام پر' دین میں ذرا سی بھی خیانت برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں' جبکہ یہ ایسی قباحت ہے جس سے دوسرے

مسالک شاذ ہی محفوظ رہے ہیں۔"

ارباب مسلک زیدیہ جمہور اسلاف کے اسوۂ صالحہ کے مطابق عمل کے لیے صرف اسی بات پر کان دھرتے ہیں جس کی دلیل کتاب اللہ میں موجود ہو یا اسے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا جا سکے۔ ساتھ ہی ان علوم سے ان کا شغف کچھ کم نہیں جو "العلم ــــ" علم کتاب و سنت ــــ تک رسائی میں معاون ہیں۔ یہ علوم، علم کتاب و سنت کے آلات کہلاتے ہیں جیسے صرف و نحو، ادب و لغت، اصول و بیان وغیرہ، اور جو کچھ ان کے علاوہ ہے جیسے علوم عقلیہ تو وہ ان سے کچھ زیادہ شغف نہیں رکھتے ــــ

دیکھا جائے تو ان حضرات میں اگر کوئی خوبی نہ بھی ہو تو صرف یہی ایک وصف خاص ان کی رفعت شان کے لیے کافی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے نصوص کے اسیر ہیں اور تقلید محض کی زنجیریں توڑ دینے والے ہیں۔

آخر میں امام صاحب لکھتے ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ اس مکتب فکر سے متعلق علماء کی غالب اکثریت مقام و مرتبہ میں مصر و شام کے اجل علماء کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصر و شام کے جید علماء اپنے مقام کی بلندی کے باوجود تقلید جیسی چیز سے چمٹے رہنے پر مصر ہیں۔"

اجتہاد کے لیے ترغیب اور تقلید پر ان کی تنقید کی روشنی میں تعلیم و تعلم کے بارے میں امام صاحب کی ہدایات کا مطالعہ بے حد اہم اور طالب علموں کے لیے ازبس ضروری ہے۔ ان کے نزدیک عالم اسلام کے اطراف و اکناف میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی ساری کوششوں کا مرکز و محور صرف اور صرف رضائے الٰہی کو ٹھہرائیں جس کی اس حوالے سے صرف ایک ہی صورت ہے ــــ شریعت کی خدمت۔ یہ خدمت شریعت کی شرح و وضاحت، تعلیم و تعلم، بحث و تحقیق، دعوت و تبلیغ، نشر و اشاعت، غرض گوناگوں پہلوؤں سے ہو سکتی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے اس مقصد کو کسی طرح کی دنیوی لاگ یا لگاؤ سے آلودہ نہ ہونے دیں ــــ خصوصاً وہ اغراض تو اس کے حق میں راہزن سے کم نہیں جو انسان کو اخذ مال اور جاہ طلبی کی جانکاہ جدوجہد میں اس درجہ الجھا دیتی ہیں کہ وہ بلند تر معیار زیست کی قندیلیں پکڑتے پکڑتے ہلکان ہو جاتا ہے۔

امام صاحب اس مقصد کو ذہنوں میں بٹھانے اور دلوں میں اتارنے کے لیے روزمرہ سے ماخوذ

کئی ایسی تشبیہات لاتے ہیں جو فطرت اور فہم کے بہت قریب ہیں۔ مثلاً وہ معاشی دنیا کے ایک معروف قاعدے کی مثال بیان کرتے ہیں جس کے تحت مستند سکہ رواج پاتا اور جعلی سکہ آپ سے آپ رد ہو جاتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت ایک معمولی مالیت کے کھرے سکے کے مقابلے میں ان گنت کھوٹے سکے پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے خواہ ان کی چمک دمک کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ فرماتے ہیں' فرض کیجئے آپ کے پاس صاف میٹھے پانی کی ایک بڑی مقدار ہے۔ اچانک ایک آدمی آتا ہے اور اس میں تھوڑا سا کھاری پانی ڈال دیتا ہے تو میٹھا پانی لازماً اپنا اچھا ذائقہ کھو بیٹھے گا۔ اسی تمثیل کو ایک اور طرح سے دیکھئے'اس صاف پانی میں اگر ایک مکھی آ گرے تو یک بیک یہ سارا پانی ناخالص قرار پائے گا۔ بعینہ "العلم" کی مثال ہے جس کی توجہات کا ہدف صرف شریعت اسلام کی خدمت ہے۔ اس میں اگر نفس پرستی اور منفعت کوشی کا ایک شمہ بھی راہ پا جائے تو اس کی قدر و قیمت صفر رہ جائے گی بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ "العلم" جہالت میں بدل جائے——

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین ○

ترجمہ : (ان کے لیے حکم تو بس یہی ہے کہ دین کو صرف اللہ کے لیے خالص رکھتے ہوئے اس کی عبادت کریں)۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے اخلاص کی شرط کو لازم قرار دیا ہے کیونکہ اخلاص تو عبادت کے لیے بمنزلہ روح کے ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث میں یہ حقیقت بااسلوب دیگر اس طرح بیان کی گئی ہے :

انما الاعمال بالنیات—— اور

انما لکل امرء ما نوای

(یعنی نیتیں ہی مدار اعمال ہیں اور انسان کو بس وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی)۔

امام شوکانی تحصیل علم کے بارے میں اپنے فکر کے اساسی پہلوؤں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"طالب علم کے لیے اہم واجبات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شروعات علم یعنی تحریک و تبلیغ کے وقت ہی سے چاہے وہ مبتدی ہے یا منتہی' متعلم ہے یا عالم' اس تصور کو اپنے ذہن میں ہمیشہ اجاگر رکھے کہ جس جلیل القدر کام کے وہ درپے ہے' وہ تحصیل ہے

اس علم کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور خاص ظاہر فرمایا—— وہ معرفت ہے اس طرز اطاعت کی جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے محکمات کتاب اور فرمودات رسولؐ کی شکل میں واجب کیا' اور کشف ہے ان حقائق کا جو کلام خدا اور کلام رسولؐ میں بظاہر مخفی ہیں۔

جہاں تک اس مقصد کے حصول کا تعلق ہے تو یہ سراسر "العلم" کے حصول پر موقوف ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس راستے کی ساری تگ و دو کا ہدف اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ وہ مقاصد جنہیں دنیا کے طالب حاصل کرنا چاہتے ہیں' واقعہ یہ ہے کہ علم کے طالبوں کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔"

الدنیا جیفتہ وطالبھا کلاب (دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں)۔

اس کے برعکس تحصیل علم کے مقصد کے لیے جان کھپانے والوں کا اجر قادر مطلق نے اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ کوئی دوسرا اس کا اجر کیا دے گا۔ چونکہ یہ علم غایت بعثت و تنزیل کا جزو خاص ہے' اسی کا یہ حق ہے کہ وہ طالب علم کا نصب العین بنے۔ بے شک یہی اس کے لیے دنیوی و اخروی فوز و فلاح اور خیر کثیر کے حصول کا یقینی ذریعہ ہے۔

طلب علم کی راہ بڑی ہی کٹھن راہ ہے۔ اس میں بعض بہت سخت مقام آتے ہیں۔ لیکن ان آفات میں ایک سب سے سوا ہے' اور وہ یہ ہے کہ کسی طالب علم کی کسی صاحب علم سے عقیدت یا کسی مکتب فکر سے محبت حد اعتدال سے بڑھ جائے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ تنہا اس کا ممدوح صائب الرائے ہے اور جزئیات کی حد تک صرف اسی کا قول صائب اور صحیح ہے۔ یہ باطل طرز فکر طالب علم کو حق و انصاف سے محروم کر کے اسے تعصب اور جانب داری کے اندھے پن میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اوروں کی آراء اور فکری کاوشیں چاہے کیسی ہی سچی اور قرین حقیقت ہوں' اس کی نظر میں ذرا نہیں جچتیں۔ اس کے تنقید و توصیف کے پیمانے ہی الگ ہو جاتے ہیں' اپنوں کے لیے اور—— اوروں کے لیے اور۔ یہاں تک کہ وہ ڈنڈی مارنے کے فن میں طاق ہو جاتا ہے۔

دنیائے علم میں اس وطیرے کا حامل شخص اپنے ممدوح کو ایسے مقام پر جا بٹھاتا ہے جہاں دیکھنے والوں کو وہ تابع شریعت کم اور شریعت ساز زیادہ نظر آتا ہے۔ جیسے وہ آئین خداوندی کا پابند نہ ہو' خود آئین بنانے والا ہو—— وہ مطیع نہ رہا ہو مطاع بن گیا ہو؛ حالانکہ کار اجتہاد سے یا استنباط کے ذریعے کوئی شخص اگر کسی خاص نقطۂ نظر تک پہنچ جائے تب بھی اسے زیب

نہیں دیتا کہ وہ اپنا نقطۂ نظر دوسروں سے بزور منوائے۔ ہوسکتا ہے وہی اسی کے لیے حتمی اور آخری ہو' لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے کے لیے کوئی اور نقطۂ نظر حتمی اور آخری ہو اور کسی تیسرے کے لیے کوئی اور۔ اپنی اپنی جگہ سب صاحب عقل و خرد ہیں اور ایک سے انسان ـــــ نحن رجال وهم رجال ـــــ اس سے واضح ہے کہ اتنی استطاعت تو ہر طالب علم رکھتا ہے کہ زندگی کرنے کے لیے دین کا ضروری علم حاصل کرسکے اور اگر چاہے تو حسب حال مشق و مزاولت بہم پہنچا کر اجتہاد و استنباط کے وسائل اور بحث و تحقیق کے ذرائع سے خود کو آراستہ بھی کر سکتا ہے جن سے صائب رائے اور قول فیصل تک پہنچنے کا راستہ اس کے لیے آسان اور مختصر ہو جائے گا۔ البتہ کسی رائے کی صحت اور قیمت صرف صاحب الرائے کے لیے ہے کیونکہ رائے کسی کی ہو' اسے کوئی اپنائے' رائے تو بہرحال رائے ہی رہے گی' حجت نہیں بن جائے گی کہ صرف اللہ کا کہا ہی حجت ہے اور حکم بس وہی ہے جو اس کا حکم ہو' اور اس کی شریعت کے ہوتے ہوئے کسے مجال تشریع!

امام شوکانی تصدیق کرتے ہیں کہ :

"مجتہدوں کے اجتہادات حجت اگر ہیں تو صرف ان کے اپنے لیے کسی اور کے لیے ان کا حکم جاری نہیں' نہ ہی مجتہد کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنا اجتہاد دوسروں پر بزور تھوپے۔ دوسروں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی کے اجتہادات کو اس طرح قبول کرلیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی جگہ لے لیں۔ دین میں ایسے طور طریقوں کی اجازت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دے رکھی۔ یہ کام' جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' ان کے شایان شان نہیں۔ لیکن اس میں بہرحال تقلید پرستوں کے لیے اپنے مسلک کے حق میں دلیل پکڑنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ ہی ان کی کٹ حجتیاں انہیں اس دھوکے میں رکھیں کہ اجتہاد کی تردید میں جس چیز پر وہ انحصار کر رہے ہیں' اس میں کوئی وزن ہے کیونکہ وزن تو دین میں قرآن و سنت کی سند سے ہے۔"

تقلید کے تخریبی پہلو کے اس قدر واضح ہونے کے باوجود افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ طلبہ کی اکثریت اپنی ذات پر اس درجہ اعتماد نہیں رکھتی کہ علم و عمل میں تقلیدی رجحانات کی پہچان کراسکیں' چنانچہ اکثر سوال کرتے ہیں کہ وہ اس قابل کب ہوں گے' وہ اس قابل کہاں کہ دلائل کی درجہ بندی کر کے ان کی قدر و قیمت کے بارے میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ دے سکیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ علم کے شہر میں وہ نووارد ہیں اور نقد و جرح کے معاملات میں ابھی مبتدی ہیں۔

جہاں تک علمی جانچ پرکھ کا تعلق ہے' اس کی اساسیات سے بھی کیا واقف ہوں گے چہ جائیکہ مختلف اور متضاد آراء و اقوال کے درمیان موازنہ و مقابلہ کر کے صحیح وغلط یا خوب و ناخوب کا حکم لگانے بیٹھ جائیں۔ لیکن ان کا یہ عذر' عذر لنگ ہے جس کے رد کے لیے کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔

بجا کہ یہ راہ بڑے ریاض اور صبر و تحمل کا تقاضا کرتی ہے' لیکن بنیاد درست ہو اور پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی نہ پڑ گئی ہو تو دیوار چاہے کتنی ہی اونچی چلی جائے' اس میں ٹیڑھ رہ جانے کا امکان نہیں رہتا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

کل مولود یولد علی الفطرۃ لکن ابواہ یھو دانہ و ینصرانہ و یمجسانہ

(ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' لیکن والدین اسے اپنے اپنے مذہب کے مطابق یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں)۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثریا می رود دیوار کج

بعینہٖ' علم و فنون میں جن کے فکر و تدبر کی ابتدا یہاں سے ہوئی ہو اور انتہا بھی یہی ہو کہ بڑے جو کچھ دکھا گئے' وہی دیکھا کیے اور جو وہ کہہ گئے' بس وہی کہتے رہے—— اپنا کام یہی ہے کہ لکیر پیٹا کریں۔ گویا انہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے' عقلیں معطل کر لی ہیں اور دل و دماغ گروی رکھ دیے ہیں۔ ان کے اس رویے کا نتیجہ چاہے فکری جمود کی صورت ہی میں کیوں نہ نکلے' ان کی بلا سے' اور کیوں نہ وہ علم و معرفت کے اصل سرچشموں سے فیضیاب ہونے سے محروم رہ جائیں۔

امام شوکانی اس قضیئے کی وضاحت کے لیے اپنی مثال پیش کرتے ہیں کہ انہیں اس مسئلے کا شوق کیسے ہوا' اور اس کا حل انہوں نے کیسے کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ طالب علمی کے ابتدائی دور میں ایک دفعہ وہ فقہی مسائل پر ایک مشہور کتاب "الازہار" دیکھ رہے تھے۔ دوران مطالعہ انہیں محسوس ہوا کہ کتاب میں دیے گئے اقوال ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ انہوں نے والد صاحب سے پوچھا کہ اس میں ان کا عمل کس پر ہے۔ ان کا جواب تھا جس پر صاحب "الازہار" کا عمل ہے۔ تو اس طرح گویا علم میں دوسروں پر ان کی فوقیت ثابت ہو گئی لیکن ان کے والد صاحب کے خیال میں اس سے ان کا فائق ہونا لازم نہیں آتا تو پھر' امام صاحب کہتے ہیں' باقی سب کو چھوڑ کر اتباع صرف صاحب "الازہار" کے قول ہی کا کیوں کیا جائے؟

اپنے اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے امام صاحب نے سوچا کہ تمام مختلف فیہ مسائل پر خود سے غور و فکر کیا جائے۔ وہ ان مسائل کو اساتذہ کے پاس بھی لے گئے تاہم انہوں نے کبھی بھی ایسی کسی بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جسے مقلد حضرات کسی شخصیت سے اندھی عقیدت یا کسی فرقے سے موروثی محبت یا محض عرف و عادت کے زیر اثر دین بنا کر پیش کرتے ہیں' اور جس کی اقتدا قرآن و سنت سے ثابت نہ کی جاسکے' اسے مقتدا مان لینے سے انہوں نے ہمیشہ گریز کیا بلکہ ان کا حال یہ تھا کہ قرآن و سنت کے اپنے علم کی روشنی میں رائے غالب پر اعتراضات وارد کرتے اور ان دلائل کا تعاقب کرتے جن کی بنیاد پر اس رائے کو قرآن و سنت سے جوڑا جا رہا ہوتا۔ یہ مشقت وہ اس کام کو مشن سمجھ کر اٹھاتے بلکہ ایک گونہ راحت محسوس کرتے۔ وہ عمر بھر پورے انہماک اور تندہی سے "العلم" کے حصول میں مشغول رہے' خصوصاً فقہ و اجتہاد اور اس کے متعلقات پر عبور کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کے بہترین اوقات صرف کیے۔ لگتا ہے اس کام میں انہیں جو خوشی ملتی' وہ ان کے شوق بے پایاں کے لیے مہمیز بھی بنتی یہاں تک کہ وہ ان وادیوں میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور بے بہا علم کمایا' بے پناہ علم لوٹایا گویا اللہ تعالیٰ نے فتوحات علم کے دروازے ان پر وا کر دیے اور خیر کثیر سے نوازا۔

امام شوکانی اپنی کتاب "ادب الطالب" میں طالب علم کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ:

> "اے علم کے جویا! حق و انصاف تیرے دل میں اس طرح گھر کر لے کہ کسی مذہب سے وابستگی کا خمار تجھے سرگشتہ نہ کر سکے اور کسی شخصیت سے والہانہ پن تجھے دوسروں سے برگشتہ نہ کر دے۔ بلکہ تیرا طرز عمل یہ ہو کہ شریعت کے دائرہ حکم میں تو سب کو ایک سا جانے کہ سب اپنے آپ کو اسی سے منسوب کرتے ہیں۔"

سلف و خلف میں کوئی نہیں جو کہہ سکے کہ کسی حیلے بہانے وہ شریعت سے صرف نظر کر سکتا ہے' چہ جائیکہ ان میں سے کسی کو مقتدا مان کر اس کی تقلید کو اپنے اوپر لازم ٹھہرا لیا جائے۔ تب اے علم کے جویا! جان لے کہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور اس اہل ہوگیا کہ علم کے خزانوں کا وارث ٹھہرے' جھولیوں موتی چنے اور چھاجوں گوہر سمیٹے!"

حق و انصاف کی پاسداری اس لیے بھی طالب علم کا مطلوب ہونی چاہیے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے مطابق وہی لوگوں میں سب سے بڑھ کر علم والا ہے جو سب سے بڑھ کر انصاف کے تقاضے پورے کرنے والا ہے' چاہے عمل میں کبھی کبھار اس سے کوتاہی کا صدور ہی کیوں نہ ہوجائے۔